شرح عقائد

[بحث صفات باری تعالی]

افرا العلیمی (الضیائی)
دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی

صفات باری تعالی

سوال: صفات باری تعالی کے ثبوت پر کیا دلائل ہیں؟

جواب: صفات باری تعالی کے ثبوت پر دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ دلائل قطعیہ سے واجب الوجود کا عالم، قادر، حی، سمیع و بصیر وغیرہ ہونا ثابت ہے اور عرف ولغت سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان تمام محمولات کے مفاہیم، واجب کے مفہوم کا عین نہیں ہیں ورنہ ''حمل الشئ علی نفسہ'' لازم آئے گا، لہذا ثابت ہوا کہ یہ مفہومِ واجب سے ایک زائد معنی پر دلالت کرتے ہیں۔[1]

۲۔ان تمام محمولات میں سب مترادف الفاظ بھی نہیں ہیں۔[2]

۳۔ کسی شئ پر مشتق کا صدق اس بات کا مقتضی ہے کہ اس شئ کے لیے ماخذ اشتقاق ثابت ہو۔

۴۔ نصوص شرعیہ اس بات پر ناطق ہیں کہ باری تعالی کے لیے علم وقدرت وغیرہ کا ثبوت ہے۔

۵۔ افعال متقنہ کا صدور بھی اللہ تعالی کے علم وقدرت وغیرہ کے وجود پر دلالت کرتا ہے نہ کہ صرف اس کے عالم یا قادر سے موسوم ہونے پر۔

سوال: صفات کے بارے میں معتزلہ کا کیا مذہب ہے اور شارح کی طرف سے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی عالم و قادر وغیرہ تو ہے مگر اس کے لیے علم وقدرت وغیرہ ثابت نہیں۔

---

[1] یہ دلیل زیادتِی صفات پر ہے حالاں کہ مقام صرف اثبات صفات کا مقتضی ہے۔وجہ یہ ہے کہ زیادتِی صفات کا انکار صفات ہی کا انکار ہے۔۱۲ان

[2] اگر علم وقدرت وغیرہ عین ذات ہوں تو سب کا مفہوم ایک ہی ہوگا،اس صورت میں ترادف لازم آئے گا اور ترادف باطل ہے۔یہ دلیل تعدد صفات پر بھی ہوسکتی ہے۔۱۲ان

جواب یہ ہے کہ جس طرح یہ قول کہ ''اسود لا سواد لہ'' یعنی وہ اسود ہے مگر اس کے لیے سواد ثابت نہیں، باطل و محال ہے اسی طرح ان کا قول بھی باطل ہے۔

سوال: اہل حق اور معتزلہ و فلاسفہ کے مابین محلِ نزاع کیا ہے؟

جواب: اہل حق اور معتزلہ و فلاسفہ کے مابین اختلاف ان صفات میں نہیں ہے جو کیفیات و ملکات کی قبیل سے ہیں اس لیے کہ مشائخ اہل سنت نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ اللہ تعالی حی ہے، اس کے لیے حیاتِ ازلی ہے جو نہ عرض ہے اور نہ ہی اس کی بقا محال ہے۔ اسی طرح وہ عالم ہے اور اس کے لیے علمِ ازلی ہے جو تمام کلیات و جزئیات کو شامل ہے۔ نہ وہ عرض ہے، نہ اس کی بقا محال ہے اور نہ ہی وہ ضروری یا کسبی ہے۔ یہی حال جملہ صفات کا ہے۔ نزاع و اختلاف اس بارے میں ہے کہ جس طرح ہم مخلوقات میں سے کسی عالم کے پاس علم ہوتا ہے، وہ عرض، ذاتِ عالم کے ساتھ قائم، اس کی ذات پر زائد اور حادث ہوتا ہے، تو کیا صانعِ عالم کے لئے بھی ایسا علم ہے جو صفتِ ازلی ہو، اس کی ذات کے ساتھ قائم اور اس پر زائد ہو؟ اسی طرح جملہ صفات بھی کیا اس کے لئے ثابت ہیں؟

فلاسفہ اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا اور یہ گمان کیا کہ باری تعالی کی صفات عینِ ذات ہیں بایں معنی کہ اس کی ذات ہی کو معلومات سے تعلق ہونے کے اعتبار سے عالم اور مقدورات سے تعلق ہونے کے اعتبار سے قادر کہا جاتا ہے لہذا اب تکثر فی الذات اور تعدد قدما اور تعدد وجبا لازم نہیں آئے گا۔[3]

سوال: صفات کے عینِ ذات ماننے پر اہل سنت کا فلاسفہ اور معتزلہ پر کیا الزام ہے؟

جواب: الزام یہ ہے کہ عینِ ذات ماننے پر صفات وذات میں سے ہر ایک

---

[3] '' تکثر فی الذات'' اس قول سے معتزلہ کی جانب سے ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ صفات کثیر ہیں، اگر سب عینِ ذات ہوں تو تکثر فی الذات لازم آئے گا اور یہ باطل ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تکثر ذات میں نہیں بلکہ تعلقات میں لازم آئے گا اور تعلقات ذات سے خارج ہیں۔ ۱۲

''تعدد قدما'' سے اشاعرہ پر ایک اعتراض کی جانب اشارہ ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ صفات زائدہ قدیمہ کا قول کثرت قدما و وجبا کا موجب ہے۔ ۱۲

دوسرے کا عین ہو گا۔ مثال کے طور پر علم کا قدرت، حیات، عالم، حی، قادر، صانعِ عالم اور معبود سب ہونا لازم آئے گا۔ نیز یہ بھی کہ واجب تعالی غیر قائم بالذات ہو جائے۔[4] اس کے علاوہ اور بھی کئی محالات لازم آئیں گے۔

سوال: کرامیہ کا صفات کے بارے میں کیا مذہب ہے اور اہل سنت کا کیا جواب ہے؟

جواب: کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ صفات ثابت ہیں مگر وہ حادث ہیں۔ اہل سنت صفات کو ازلی مانتے ہیں اس لیے کہ ذات باری تعالی کے ساتھ حوادث کا قیام محال ہے۔

سوال: صفات کے قائم بالذات ہونے میں معتزلہ کا کیا قول ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟
جواب: معتزلہ کا گمان ہے کہ اللہ تعالی متکلم ہے ایسے کلام کے ساتھ جو قائم بالغیر ہے لیکن ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس کے لیے صفتِ کلام ثابت ہے اور وہ قائم بالغیر ہے بلکہ وہ سرے سے کلام کے باری تعالی کی صفت ہونے ہی کی نفی کرتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ بات بدیہی ہے کہ شئ کی صفت کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اس شئ کے ساتھ قائم ہو۔[5]

سوال: صفات کو ثابت کرنے پر معتزلہ کا اہل سنت پر کیا اعتراض ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: معتزلہ کہتے ہیں کہ صفات کے اثبات میں توحید کا ابطال ہے اس لیے کہ صفات، موجوداتِ قدیمہ اور ذات باری تعالی سے مغایر ہیں لہذا غیر اللہ کا قدیم ہونا اور تعدد قدما، بل کہ تعدد وجبا بالذات بھی لازم آئے گا، جیسا کہ متقدمینِ اشاعرہ کے کلام میں اشارہ ہے کہ واجب و قدیم مترادف ہیں، اور متاخرین کے کلام میں تو تصریح ہے کہ واجب الوجود بالذات اللہ تعالی اور اس کی صفات ہیں۔

---

[4] کیونکہ صفات غیر قائم بالذات ہیں، اگر وہ عینِ ذات ہوں تو واجب کا بھی غیر قائم بالذات ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ ١٢

[5] تو اگر اللہ تعالی کو متکلم مانتے ہو تو صفت کلام کو اس کے ساتھ قائم ماننا ہی پڑے گا۔ ١٢

جب نصاری کی تکفیر، تین قدما ثابت کرنے پر، کر دی گئی؛ تو جو آٹھ یا اس کے زیادہ کے قائل ہیں ان کا حال کیا ہو گا؟

ان سب کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت صفات کو نہ عینِ ذات مانتے ہیں اور نہ غیر ذات، لہذا غیر اللہ کا قدیم ہونا اور تعدد قدما لازم نہیں آئے گا۔

اور صفات کو واجب بالذات کہنے کی جرأت نہیں کرنا چاہیے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ واجب بالغیر بھی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے واجب ہیں جو اُن کا عین ہے نہ غیر۔ (یعنی ذات باری تعالی کی وجہ سے)، یہی مراد اُن کی بھی ہو گی جو کہتے ہیں کہ ''واجب الوجود بالذات اللہ تعالی اور اس کی صفات ہیں۔''یعنی صفات،ذاتِ واجب تعالی کی وجہ سے واجب ہیں۔

جہاں تک نصاری کی بات ہے تو اگرچہ انھوں نے قدماے متغایرہ کی صراحت نہیں کی لیکن ان پر یہ بات لازم آتی ہے اس لیے کہ وہ اقانیمِ ثلثہ (تین صفتیں: وجود، علم اور حیات) ثابت کرتے ہیں اور ان کا نام اب، ابن اور روح القدس رکھتے ہیں اور یہ زعم کرتے ہیں کہ صفت علم حضرت عیسی علیہ السلام کے بدن مبارک میں منتقل ہو گئی۔اس طرح انھوں نے انفکاک وانتقال کو ممکن ٹھہرایا تو ذوات متغایرہ ثابت ہو گئیں۔

سوال: مصنف کے جواب ''لاھوولا غیرہ'' پر وارد ہونے والا اعتراض اور شارح کی طرف سے اس کا جواب ذکر کریں۔

جواب: اعتراض یہ ہے کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ تعدد وتکثر، تغایر بمعنی جواز انفکاک پر موقوف ہے؛اس لیے کہ یہ بات یقینی ہے کہ مراتبِ اعداد، متعدد اور متکثر ہیں حالاں کہ ان میں بعض، بعض کا جز ہے اور جز، کل کے مغایر نہیں ہوتا۔ نیز اہل سنت کا اختلاف، صفات کی کثرت وتعدد میں نہیں ہے خواہ وہ متغایر ہوں یا نہ ہوں۔[6]

شارح فرماتے ہیں: بہتر ہے کہ اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ محال

[6] یہ دوسرا اعتراض ہے یعنی جب اہل سنت سات یا آٹھ صفات مانتے ہیں تو یہ بھی ماننا ضروری ہے کہ ان کے نزدیک صفات متعدد و متکثر ہیں لہذا تعدد قدما سے بچنے کے لیے اس اصطلاح (متغایر وغیر متغایر) کی حاجت نہیں ہے۔۱۲

ذوات قدیمہ کا تعدد ہے،ذات اور صفات کا تعدد محال نہیں۔

سوال: نفس الامر میں صفات ممکن ہیں تو ان کا قدیم ہونا محال ہے اس لیے کہ مشائخ کا قول ہے کہ ''ہر ممکن حادث ہے۔''

جواب: اپنی ذات کے اعتبار سے صفات ممکن ہیں اور ممکن جب قدیم ذات کے ساتھ قائم،اس کی وجہ سے واجب اور اس سے منفصل نہ ہو تو اس کے قدیم ہونے میں کوئی استحالہ نہیں؛ لہذا ہر قدیم الہ نہیں ہوتا کہ قدما کے وجود سے آلہہ کا وجود لازم آئے۔

سوال: صفات باری تعالی کو قدیم کہنے کے سلسلے میں شارح نے کیا مشورہ دیا ہے؟

جواب: شارح فرماتے ہیں کہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ''اللہ تعالی قدیم بالذات ہے اور اپنی صفات سے موصوف ہے۔'' مطلق صفات کو قدیم نہ کہا جائے تا کہ اس طرف وہم نہ جائے کہ ہر ایک صفت ذات باری تعالی کے ساتھ قائم اور صفت اُلوہیت سے متصف ہے۔

فائدہ: صفات کی بحث کے مشکل ہونے کی وجہ سے ہی معتزلہ اور فلاسفہ نے صفات ہی کی نفی کر دی، کرامیہ نے اس کو قدیم نہیں مانا اور اشاعرہ نے اس کی عینیت وغیریت کا انکار کیا۔

سوال: صفات کے عین وغیر نہ ماننے پر اعتراض اور اشاعرہ کی طرف سے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اعتراض یہ ہے کہ ''لاھو ولا غیرہ'' بہ ظاہر ارتفاع نقیضین اور حقیقت میں اجتماع نقیضین ہے اس لیے کہ شی کا مفہوم اگر دوسرے کا مفہوم نہ ہو تو وہ

اس کا غیر ہے ورنہ عین، اور عین و غیر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔[7]

جواب یہ ہے کہ اشاعرہ نے غیریت کی تفسیر، یوں کی ہے کہ دو چیزیں اس طور پر ہوں کہ ان میں سے ایک کا وجود دوسرے کے عدم کے ساتھ متصوَر ہو سکے۔(یعنی دونوں کے درمیان انفکاک ممکن ہو) اور عینیت یہ ہے کہ بغیر کسی فرق کے دونوں کا مفہوم ایک ہو۔

اب اس صورت میں یہ دونوں نقیض نہیں رہ جائیں گے بلکہ ان کے درمیان واسطہ ہوگا بایں طور کہ کوئی شی اس طرح ہو کہ اس کا مفہوم دوسرے کا مفہوم نہ ہو اور نہ وہ دوسرے کے بغیر پایا جائے، جیسے: جز اور کل، صفت اور ذات اور آپس میں بعض صفات۔ اس لیے کہ ذات باری تعالی اور اس کی صفات ازلی ہیں اور ازلی پر عدم محال ہے۔ اسی طرح واحد من العشرہ (وہ ایک جو دس کا جز ہو) کی بقا بغیر عشرہ کے محال ہے اور عشرہ کی بقا بغیر اُس واحد کے محال ہے اس لیے کہ وہ عشرہ کا جز ہے؛ لہذا عشرہ کا عدم اُس واحد کا عدم اور عشرہ کا وجود اُس واحد کا وجود ہے۔

صفات حادثہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ ذات کا قیام کسی صفت معین کے بغیر ممکن و مُتصوَر ہے اس لیے وہ صفت اس ذات کا غیر ہو گی۔

سوال: غیریت کی اس تفسیر پر معتزلہ کا اعتراض کیا ہے؟

جواب: اعتراض یہ ہے کہ غیریت کی تعریف میں امکانِ انفکاک سے مراد اگر انفکاک من الجانبین ہو تو یہ تعریف عالم و صانع اور عرض و محل پر صادق نہیں آئے گی اس لیے کہ عالم کا وجود صانع کے بغیر ممکن نہیں کیوں کہ صانع کا عدم محال ہے۔ اسی طرح عرض (مثلا: سواد) کا وجود بغیر محل کے متصور نہیں، حالاں کہ دونوں کے درمیان مغایرت بالاتفاق یقینی ہے۔

[7] حاصل یہ ہے کہ عین و غیر نقیض ہیں اور نقیضین میں سے ایک کی نفی دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہوتی ہے؛ لہذا جب عینیت کی نفی ہوئی تو غیریت کا ثبوت ہوا اور جب غیریت کی نفی ہوئی تو عینیت کا ثبوت ہوا، اس طرح ارتفاع نقیضین کے ساتھ اجتماع نقیضین بھی ہو گیا۔ اور واسطہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں کوئی تیسرا درجہ نہیں ہے۔ یعنی ایک شی دوسری شی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا عین ہو گی یا غیر، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

اور اگر ایک ہی جانب سے انفکاک مراد لیں تو جز اور کل، اسی طرح ذات اور صفات میں بھی مغایرت لازم آئے گی؛ اس لیے کہ یہ بات یقینی ہے کہ جز کا وجود بغیر کل کے اور ذات کا وجود بغیر صفت کے ممکن ہے۔

اور اوپر جو یہ ذکر کیا گیا کہ واحد کی بقا بغیر عشرہ کے محال ہے، وہ ظاہر الفساد ہے۔[8]

سوال: معتزلہ کے اس اعتراض کا اشاعرہ کی طرف سے کیا جواب ہے؟

جواب: جواب یہ ہے کہ ہم پہلی شق (یعنی انفکاک من الجانبین) اختیار کرتے ہیں اور امکان انفکاک سے مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے وجود کا تصور دوسرے کے عدم کے ساتھ ممکن ہو، اگرچہ حقیقت میں اس کا عدم محال ہو۔[9]

رہی بات عالم اور صانع کی تو، عالم کے وجود کا تصور صانع کے بغیر ہو جاتا ہے پھر صانع کے وجود پر دلیل طلب کی جاتی ہے[10] جب کہ جز اور کل میں ایسا نہیں ہوتا اس لیے کہ جس طرح عشرہ کا وجود بغیر واحد کے محال ہے ایسے ہی واحد من العشرہ کا وجود بھی عشرہ کے بغیر ممتنع ہے[11]؛ اس لیے اگر وہ عشرہ کے بغیر پایا جائے تو وہ واحد من العشرہ نہیں ہو گا۔ حاصل یہ کہ واحد من العشرہ میں وصفِ اضافت کا اعتبار ہے[12] اور اس صورت میں دونوں کے درمیان امتناعِ انفکاک ظاہر ہے۔

سوال: شارح نے اشاعرہ کے اِس جواب کی تردید کیسے فرمائی ہے؟

جواب: فرماتے ہیں کہ یہ جواب مشائخ کی تصریح کے خلاف ہے اس لیے کہ مشائخ نے صفات کے درمیان عدمِ مغایرت کی تصریح فرمائی ہے اِس بنا پر کہ صفات ازلی

---

[8] یعنی اشاعرہ نے جواب میں جو یہ ذکر کیا کہ واحد من العشرہ کا وجود بغیر عشرہ کے محال ہے، اس کا فساد ظاہر ہے کیوں کہ واحد بغیر عشرہ کے پایا جا سکتا ہے۔ ۱۲

[9] یعنی اشاعرہ کی مراد یہ نہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کے بغیر صحیح ہو بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہو؛ خواہ ان کا وجود صحیح ہو یا نہ ہو۔ ۱۲ ب

[10] یہ شق اول پر ہونے والے اعتراض کا جواب ہے، یعنی عالم کے وجود کا تصور صانع کے بغیر ممکن ہے ورنہ تو ثبوتِ صانع پر دلیل طلب کرنا عبث ہوتا۔ اور اسی طرح صانع کے وجود کا بھی تصور عالم کے بغیر ممکن ہے؛ لہذا دونوں جانب سے انفکاک درست ہوا اور مغایرت ثابت ہو گئی۔ ۱۲ ج

[11] یعنی واحد من العشرہ کے وجود کا تصور اس حیثیت سے کہ وہ عشرہ کا جز ہے، ممتنع ہے؛ لہذا دونوں کے درمیان مغایرت ثابت نہیں ہو گی۔ ۱۲ ج

[12] یعنی واحد من العشرہ اس حیثیت سے کہ وہ واحد من العشرہ ہے، عشرہ کے بغیر نہیں پایا جائے گا۔ ۱۲ ج

ہیں لہذاان کے عدم کا تصور نہیں ہو سکتا؛ حالاں کہ یہ بات یقینی ہے کہ بعض صفات کے وجود کا تصور ہوتا ہے اور پھر بعض کے ثبوت پر دلیل طلب کی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ مشائخ نے یہ معنی (یعنی ایک کے وجود کا تصور دوسرے کے عدم کے ساتھ ممکن ہونا) مراد نہیں لیا ہے ورنہ توصفات کے درمیان تغایر لازم آتا۔[13]

دوسری بات یہ کہ یہ معنی عرض و محل پر صادق نہیں آتا اس لیے کہ عرض کا تصور بغیر محل کے محال ہے۔[14]

تیسری بات یہ کہ اگر وصفِ اضافت کا اعتبار کیا جائے تو متضایفین[15] (جیسے: باپ اور بیٹے، دو بھائیوں، اسی طرح علت و معلول) کے درمیان بلکہ دو متغایر چیزوں کے درمیان بھی عدم مغایرت لازم آئے گا اس لیے کہ غیریت بھی اسماے اضافیہ میں سے ہے اور ان چیزوں میں عدم مغایرت کا قائل کوئی بھی نہیں ہے۔

سوال: صاحبِ مواقف نے ''لاھو ولا غیرہ'' کی کیا توجیہ فرمائی ہے؟

جواب: وہ فرماتے ہیں کہ اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ صفات مفہوم کے اعتبار سے عین نہیں اور وجود کے اعتبار سے غیر نہیں؛ جیسا کہ اپنے موضوعات کی طرف نسبت کرتے ہوئے تمام محمولات کا یہی حکم ہے کہ حمل کے صحیح ہونے کے لیے دونوں (یعنی موضوع اور محمول) کے درمیان وجود کے اعتبار سے اتحاد اور حمل کے مفید ہونے کے لیے مفہوم کے اعتبار سے تغایر شرط ہے۔ جیسے: ''انسان کاتب ہے'' برخلاف اس کے کہ ''انسان حجر ہے'' اور ''انسان انسان ہے'' اس لیے کہ پہلے میں حمل صحیح نہیں اور دوسرے میں مفید نہیں۔

سوال: شارح نے اس توجیہ کی تردید کیسے فرمائی؟

---

[13] حاصل یہ کہ جواب میں مذکور توجیہ کے مطابق صفات میں سے بعض کے وجود کا تصور بعض کے عدم کے ساتھ ہو سکتا ہے لہذا صفات میں مغایرت ثابت ہونا چاہیے جب کہ مشائخ نے عدم مغایرت مانا ہے۔ ۱۲

[14] جب کہ بالاتفاق عرض و محل میں مغایرت ثابت ہے۔ ۱۲

[15] متضایفین: ایسی دو چیزیں جن میں ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہو۔ ۱۲

جواب: شارح فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ توذات کی طرف نسبت کرتے ہوئے عالم، قادر جیسی مثالوں میں تو جاری ہو سکتی ہے لیکن علم و قدرت وغیرہ میں نہیں ہو سکتی؛حالاں کہ ہماری گفتگو اسی میں ہے۔اسی طرح اجزائے غیر محمولہ (جیسے: ''واحد من العشرہ'' اور ''ید من زید'') میں بھی یہ توجیہ نہیں ہو سکتی۔[16]

سوال: اجزائے غیر محمولہ کے بارے میں ''تبصرہ''میں کیا مذکور ہے؟

جواب: ''تبصرہ''میں مذکور ہے کہ واحد من العشرہ کا عشرہ کا اور ید من زید کا زید کا غیر ہونے کا قول سوائے جعفر بن حرث کے متکلمین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔اس سلسلے میں تمام معتزلہ نے اس کی مخالفت کی اور اسے اُس کی جہالتوں میں شمار کیا ہے کیوں کہ عشرہ ایسے افراد کے مجموعے کے نام ہے جو ہر فرد کو مع اس کے اغیار کے، شامل ہے؛[17] پس اگر واحد، عشرہ کا غیر ہو تو وہ خود کا غیر ہو جائے گا اس لیے کہ وہ عشرہ ہی سے ہے،اور یہ بھی لازم آئے گا کہ عشرہ بغیر واحد کے پایا جائے۔[18] یہی معاملہ ''ید من زید''کا بھی ہے۔

سوال: ''ولایخفی مافیہ''سے شارح کا کیا مقصود ہے؟

جواب: اس عبارت سے شارح کا مقصود یہ ہے کہ اجزائے غیر محمولہ کے عدم مغایرت پر جو استدلال کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں؛اس لیے کہ ایک شی کا دوسری شی سے ہونا اور اس کے بغیر نہ پایا جانا عدم مغایرت پر دلالت نہیں کرتا۔

یا یہ کہ ایک شی کا دوسری شی کے مغایر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ دوسری شی کے تمام اجزا کے مغایر ہو۔[19]

---

[16] کیوں کہ ان میں وجود کے اعتبار سے تغایر ہے۔تو ''واحد من العشرہ'' اور ''ید من زید'' نہ عین ہیں نہ غیر،اس کے باوجود یہ توجیہ ان میں جاری نہیں ہوتی؛جب کہ یہ توجیہ لا عین ولا غیر پر ہی کی گئی ہے۔ ۱۲

[17] یعنی عشرہ دس اکائیوں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ مجموعہ ہر اکائی کو اس کے ماعدا کے ساتھ شامل ہے۔(مثلا: ایک اور نو، دو اور آٹھ، تین اور سات الی غیر ذلک سب کو عشرہ کہیں گے۔)تو اگر واحد عشرہ کا غیر ہو تو عشرہ میں شامل ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کا غیر ہو جائے گا۔

[18] کیوں کہ غیریت کہتے ہی اِسے ہیں کہ دونوں کے درمیان انفکاک ممکن ہو۔ ۱۲

[19] کیوں کہ وہ اس کے مجموعے کے (من حیث المجموعہ) مغایر ہے اور کبھی کبھی مجموعے کا حکم کل افرادی سے الگ ہوتا ہے لہذا واحد کے عشرہ کا اور ید من زید کے زید کا غیر ہونے سے ان کا اپنے آپ کا غیر ہونا لازم نہیں آئے گا۔ ۱۲

سوال: ماتریدیہ اور اشاعرہ کے نزدیک صفات کی تعداد کتنی ہے، ہر ایک کی تعریف کریں۔

جواب: ماتریدیہ کے نزدیک آٹھ ہیں: **۱۔ علم ۲۔ قدرت ۳۔ حیات ۴۔ سمع ۵۔ بصر ۶۔ ارادہ ۷۔ کلام ۸۔ تکوین**، اور اشاعرہ کے یہاں سات ہیں، وہ تکوین کو کوئی مستقل صفت نہیں مانتے۔ تعریف درج ذیل ہے:

علم: ایسی صفت ازلیہ ہے کہ جب اس کا تعلق معلومات سے ہوتا ہے تو معلومات منکشف ہو جاتے ہیں۔

قدرت: ایسی صفت ازلیہ ہے کہ جب اس کا تعلق مقدورات سے ہوتا ہے تو وہ مقدورات میں مؤثر ہوتی ہے۔ **قوت** بھی اسی معنی میں ہے۔

حیات: ایسی صفت ازلیہ ہے جو صحتِ علم کو ثابت کرتی ہے۔[20]

سمع: ایسی صفت ہے جو مسموعات سے متعلق ہوتی ہے۔

بصر: ایسی صفت ہے جو مُبصرات سے تعلق رکھتی ہے۔

فائدہ: ان دونوں (سمع وبصر) سے ادراک تام ہوتا ہے، تخیل وتوہم کے طور پر نہیں،[21] اور نہ ہی حاسے کے متاثر ہونے اور ہوا کے کان تک پہنچنے کے طریقے پر ہوتا ہے۔[22]

سوال: ''ولا یلزم من قدمهما'' سے شارح کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے شارح نے فلاسفہ کے ایک شبہے کا جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے اگر سمع وبصر قدیم ہوں تو مسموعات ومبصرات کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ صفت کے قدیم ہونے سے اس کے متعلقات کا قدیم ہونا لازم

---

[20] یعنی صفت حیات یہ ثابت کرتی ہے کہ باری تعالی علم، قدرت اور ارادہ وغیرہ صفت کمال سے متصف ہے، اور یہ کہ علم وقدرت وغیرہ صفت حیات کے بغیر نہیں پائے جائیں گے؛ تو یہ صفت ان کے مصحح ہے۔ ۱۲

[21] یہ ''ادراک تام'' کی تاکید ہے تاکہ فلاسفہ کا رد ہو سکے جو کہتے ہیں کہ علم بالمسموعات والمبصرات ایسا ادراک ہے جو تخیل وتوہم کے مشابہ ہے۔ ۱۲ ان

[22] یہ فلاسفہ کے ایک شبہے کے جواب کی طرف اشارہ ہے؛ شبہہ یہ ہے کہ سمع وبصر سے ادراک حاسے کے متاثر ہونے سے ہی ہوتا ہے اور مزید یہ کہ سماع کے لیے کان کے سوراخ تک ہوا کا پہنچنا بھی ضروری ہے جب کہ اللہ تعالی ان سے منزہ ہے تو اسے ادراک کیسے ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ حواس کا متاثر ہونا اور ہوا کا پہنچنا حیوانات کے لیے ہے اور واجب تعالی کو ان پر قیاس کرنا حماقت ہے۔ ۱۲ ان

نہیں آتا جس طرح علم و قدرت کے قدیم ہونے سے معلومات و مقدورات کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا اس لیے کہ یہ ایسی صفات قدیمہ ہیں جن کا تعلق حوادث سے ہوتا ہے۔[23]

ارادہ و مشیت: حی میں پائی جانے والی ایسی صفت کا نام ہے جو مقدورین (فعل و ترک) میں سے ایک کی تخصیص کو اوقات میں سے کسی ایک وقت میں واجب کردے؛ ساتھ اس کے کہ قدرت کی نسبت سب کی طرف برابر ہو اور علم کا تعلق وقوع کے تابع ہو۔

سوال: ارادہ اور مشیت کے ترادف کا ذکر کر کے مصنف نے کن لوگوں کے رد پر تنبیہ فرمائی ہے؟

جواب: ان لوگوں کے رد پر تنبیہ ہے جن[24] کا زعم یہ ہے کہ مشیت قدیم ہے اور ارادہ حادث ہے اور ذات باری تعالی کے ساتھ قائم ہے۔

اور ان پر بھی جن کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اپنے فعل کے ارادہ کا معنی یہ ہے کہ وہ مجبور، غافل اور مغلوب نہیں ہے اور دوسرے کے فعل کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس فعل کا حکم دینے والا ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ ایسا (یعنی ارادہ بمعنی امر) کیسے ہو سکتا ہے؛ حالاں کہ ہر مکلف کو ایمان اور تمام واجبات کا حکم دیا گیا ہے، پس اگر وہ اس کو چاہتا تو ضرور واقع ہو جاتا۔[25]

سوال: فعل و تخلیق کسے کہتے ہیں؟ لفظ خلق سے عدول کیوں کیا گیا؟ نیز یہ ہے جب ''ترزیق''، فعل و تخلیق میں داخل ہے تو پھر الگ سے اس کی صراحت کیوں کی گئی؟

جواب: فعل و تخلیق ایسی صفت ازلیہ سے عبارت ہے جس کو تکوین کہا جاتا ہے۔ لفظ خلق سے عدول اس لیے کیا گیا کیوں کہ اس کا زیادہ تر استعمال مخلوق کے معنی میں ہوتا ہے۔ ترزیق بھی ایک مخصوص تکوین ہے، اس کی صراحت اس بات کی طرف

---

[23] یعنی ان کا قِدَم اس وقت لازم آتا جب تعلقات قدیم ہوتے؛ حالاں کہ تعلقات حادث ہیں۔ اور صفت کے وجود سے یہ ضروری نہیں کہ اس کے لیے تعلق بھی ہو۔ ۱۲ ان

[24] وہ کرامیہ ہیں۔ ۱۲

[25] یعنی اللہ نے تمام مکلفین کو ایمان و واجبات کا حکم دیا ہے، اگر امر بمعنی ارادہ ہوتا تو ضرور سب ایمان لے آتے ورنہ تو اس کے لیے عجز لازم آئے گا۔ ۱۲

اشارہ کرنے کے لیے کی گئی ہے کہ تخلیق، تصویر، ترزیق، احیاء، اماتہ وغیرہ صفات جو اللہ کی طرف منسوب ہیں، ہر ایک صفت حقیقی، ازلی، قائم بالذت ہے اور سب تکوین ہیں۔ ایسا نہیں جیسا امام اشعری کا زعم ہے کہ یہ صفات اضافیہ اور صفات افعال ہیں۔

کلام: ایسی صفت ازلیہ ہے جس کی تعبیر اس نظم سے کی جاتی ہے جس کا نام قرآن ہے جو حروف سے مرکب ہے۔[26]

سوال: صفت کلام کے ثبوت پر عقلی و نقلی دلائل پیش کریں۔

جواب: عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی چیز کا حکم دیتا یا اس سے روکتا یا اس کی خبر دیتا ہے تو وہ اپنے دل میں ایک معنی پاتا ہے پھر عبارت، کتابت یا اشارے کے ذریعے اس معنی کی تعبیر کرتا ہے۔ اسی کا نام کلام نفسی ہے۔

فائدہ: یہ معنی علم نہیں ہے اس لیے کہ کبھی کبھی انسان اس چیز کی بھی خبر دیتا ہے جس کا وہ علم نہیں رکھتا۔ اور یہ ارادہ بھی نہیں ہے کیوں کہ بسا اوقات انسان ایسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا۔ جیسے: وہ شخص جو اپنے غلام کو اس کی نافرمانی اور عدم بجاآوری کو ظاہر کرنے کے لیے حکم دے۔

۲۔ اخطل نے بھی اپنے قول سے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''کلام تو دل ہی میں ہوتا ہے اور زبان کو دل کا ترجمان بنایا گیا ہے۔''

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے اپنے دل میں ایک مقالہ تیار کیا ہے۔''

۴۔ اکثر تم بھی اپنے ساتھی سے کہتے ہو کہ ''میرے دل میں ایک بات ہے جسے تم سے کہنا چاہتا ہوں۔''

۵۔ صفت کلام کے ثبوت پر اجماعِ امت اور انبیاے کرام علیہم السلام سے تواترِ نقل ہے کہ اللہ تعالی متکلم ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ صفت کلام کے ثبوت کے بغیر تکلم محال ہے۔

---

[26] جو کلام اللہ کی صفت ہے وہ قدیم اور قائم بذاتہ تعالی ہے اور قرآن جو حروف ہجا سے مرکب ہے وہ حادث ہے، صفت قدیمہ اور قائم بذاتہ تعالی نہیں ہے بلکہ وہ اس صفت قدیمہ پر دال ہے۔ پہلا کلام نفسی اور دوسرا کلام لفظی ہے۔ معتزلہ پہلے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلام اللہ صرف کلام لفظی حادث ہے۔

کلام کی تفصیل

☆ **اللہ تعالی متکلم ہے ایسے کلام سے جو اس کی صفت ہے** اس لیے کہ یہ بات بدیہی ہے کہ ماخذ اشتقاق کے قیام کے بغیر کسی شی کے لیے مشتق کا اثبات محال ہے۔ اس عبارت میں معتزلہ کا رد ہے چناں چہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالی ایسے کلام سے متکلم ہے جو قائم بالغیر ہے اور وہ اس کی صفت نہیں ہے۔

وہ صفت، ازلی ہے اس لیے کہ ذات باری تعالی کے ساتھ حوادث کا قیام محال ہے۔

وہ حروف واصوات کی جنس سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ اعراض حادثہ ہیں اور ان میں بعض کا حدوث بعض کے انقضا کے ساتھ مشروط ہے کیوں کہ حرف اول کے ختم ہوئے بغیر حرف ثانی کا تکلم محال ہونا بدیہی ہے۔ اس میں حنابلہ اور کرامیہ کا رد ہے جو اس کے قائل ہیں کہ باری تعالی کا کلام عرض ہے اور حروف واصوات کی جنس سے ہے، اس کے باوجود وہ قدیم ہے۔

☆ کلام ایسا معنی ہے جو قائم بالذات اور سکوت وآفت کے منافی ہے۔

سکوت: تکلم پر قدرت کے باوجود ترکِ تکلم کا نام ہے۔

آفت: آلات کے کام نہ کرنے کو کہتے ہیں، فطری طور پر، جیسے: گونگے پن میں، یا آلات کے ضعیف ہونے اور قوت کی حد تک نہ پہنچنے کے سبب، جیسے بچپن میں۔

سوال: اس عبارت پر اعتراض اور اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اعتراض یہ ہے کہ کلام کا سکوت وآفت کے منافی ہونا کلام لفظی پر صادق آتا ہے نہ کہ کلام نفسی پر، کیوں کہ سکوت وخرس تلفظ کے منافی ہے۔

جواب یہ ہے کہ مراد سکوت وآفت باطنی ہے بایں طور کہ وہ اپنے نفس میں تکلم کی تدبیر نہ کرسکے یا اس پر قادر نہ ہو۔ تو جس طرح کلام لفظی و نفسی ہوتا ہے اسی طرح اس کی ضد سکوت وخرس بھی ہے۔

سوال: صفت کلام میں تکثر کے قائلین کا مصنف نے کیا جواب دیا ہے؟

جواب: مصنف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسی صفت کلام سے متکلم، آمر، ناہی اور مخبر ہے۔ یعنی وہی صفت واحدہ (علم و قدرت و دیگر صفات کی طرح) اختلاف تعلقات کے سبب امر، نہی اور خبر کے اعتبار سے متکثر ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک صفت واحدہ قدیمہ ہے اور تکثر و حدوث تعلقات و اضافات میں ہے۔ یہی کمالِ توحید کے زیادہ لائق ہے اور نیز فی نفسہ ہر ایک صفت کے تکثر پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

سوال: اس جواب پر کیا اعتراض ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اعتراض یہ ہے کہ امر و نہی وغیرہ کلام کی اقسام ہیں، ان کے بغیر کلام کا وجود ممکن نہیں؛[27] لہذا فی نفسہ کلام متکثر ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ناقابل تسلیم ہے۔ کلام، تعلقات کے وقت ان اقسام میں سے کوئی ایک قسم ہوتا ہے اور یہ ازل کے بعد ہے، ازل میں تو انقسام ہی نہیں ہے۔[28]

بعض حضرات نے کہا ہے کہ کلام، ازل میں خبر ہے اور تمام اقسام اسی کی طرف راجع ہیں؛ اس لیے کہ امر کا حاصل فعل پر ثواب اور ترک فعل پر عذاب کا مستحق ہونے کی خبر دینا ہے، اور نہی اس کے برعکس ہے۔ استفہام کا حاصل طلبِ اطلاع اور ندا کا حاصل طلب اجابت کی خبر دینا ہے۔

اس قول کا رد اس طور پر کیا گیا ہے کہ ہم ان معانی کے اختلاف کو بدیہی طور پر جانتے ہیں اور بعض کا بعض کو مستلزم ہونا اتحاد کو واجب نہیں کرتا۔[29]

سوال: صفت کلام کے سلسلے میں معتزلہ کا اہل سنت پر کیا اعتراض ہے؟

---

[27] کیوں کہ جنس اپنے انواع کے ضمن میں ہی پایا جاتا ہے تو جب انواع کثیر ہیں تو جنس میں بھی کثرت ہو گی۔ ۱۲

[28] حاصل یہ ہے کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ یہ اقسام کلام کی انواع حقیقیہ ہیں کہ نفس کلام میں تکثر لازم آئے؛ بلکہ یہ انواع اعتبار یہ ہیں جو تعلق بالاشیا سے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے: زید کا موجود ہونا، کاتب ہونا وغیرہ، تو تکثر حقیقت میں نہیں بلکہ صرف اعتبار میں ہے۔ ۱۲ ج

[29] .. یعنی ہمیں بالبداہت معلوم ہے کہ امر، نہی اور خبر کے معانی مختلف ہیں اس لیے کہ خبر صدق و کذب کا محتمل ہے جب کہ امر و نہی وغیرہ نہیں ہیں کیوں کہ یہ انشا ہیں۔ اور اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ معنیٔ اخبار کو مستلزم ہیں پھر بھی استلزام اتحاد فی المفہوم کا موجب نہیں ہو گا کہ سب کا مرجع خبر ہو جائے۔

جواب: اعتراض یہ ہے کہ بغیر مامور و منہی کے امر و نہی سفہ و عبث ہے اور ازل میں ماضی کے طریقے پر خبر دینا کذب محض ہے جس سے باری تعالی کی تنزیہہ واجب ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر ہم کلام کو ازل میں امر و نہی اور خبر نہ بنائیں تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر بنائیں تو امر ازل میں مامور بہ کی تحصیل کو اس وقت واجب کرنے کے لیے ہوگا جب مامور کا وجود ہو اور وہ مامور بہ کی بجاآوری کا اہل ہو جائے؛ تو اب آمر کے علم میں مامور کا وجود کافی ہوگا۔ مثلا: کوئی شخص اپنا بیٹا فرض کرلے اور اس کو یہ حکم دے کہ وہ وجود کے بعد ایسا کرے۔ اور ازل کے اعتبار سے اخبار کسی زمانے سے متصف نہیں ہوتیں کیوں کہ اللہ تعالی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی ہے نہ حال اور نہ مستقبل اس لیے کہ وہ زمانے سے پاک ہے، جیسا کہ اس کا علم ازلی ہے جو زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔

سوال: قرآن کے بعد کلام اللہ کا ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" کہا جائے اور "القرآن غیر مخلوق" نہ کہا جائے تاکہ ذہن اس طرف نہ جائے کہ جو حروف و اصوات سے مرکب ہے وہ قدیم ہے جیسا کہ حنابلہ نے جہالت یا عناد کے سبب یہ مذہب اختیا کیا۔

سوال: مصنف نے غیر مخلوق کی جگہ غیر حادث کیوں نہ کہا؟

جواب: شارح نے اس کی تین وجہیں بیان فرمائی ہیں: ۱۔اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ ۲۔ اپنے کلام کو حدیث کے موافق کرنے کے لیے۔ چناں چہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق ومن قال إنه مخلوق فهو كافر بالله العظيم" ۳۔اس بات کی صراحت کرنے کے لیے کہ فریقین کے درمیان محل نزاع یہی مشہور عبارت ہے۔ یعنی قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، اسی وجہ سے اس مسئلے کا نام مسئلہ خلق قرآن پڑ گیا۔

تمت بالخير فالحمد لله تعالى، نفع الله تعالى به الناس

۲٦/جنوری ۲۰۲۵ء